کراماتِ اہلحدیث
مؤلفہ
مولانا عبدالمجید صاحب خادم سوہدروی
شاگرد
مولانا محمد ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی
ناشر
اسلامی کتب خانہ ـــــ سیالکوٹ
قیمت ایک روپیہ پچیس پیسے

مولوی عبدالمجید خادم سوہدروی

جو کہ اس کتاب کرامات اہل حدیث کے مصنّف ہیں۔ جماعت اہلِ حدیث کے ایک مشہور و معروف اور صاحبِ قلم شخصیت ہیں۔ ان کی کئی ایک تصانیف ہیں۔ مولوی صاحب اپنے گاؤں سوہدرہ سے جو کہ وزیر آباد سے سیالکوٹ روڈ پر چند میلوں کے فاصلہ پر ہے کے رہنے والے تھے۔ انہوں نے اپنا تخلّص خادم رکھا تھا۔ اس لئے انہوں نے اپنی کتابوں میں اپنا نام لکھنے کی بجائے صرف خادم ہی لکھا ہے۔

مولوی صاحب اپنے گاؤں سوہدرہ سے اخبار مسلمان اور اہل حدیث بھی نکالتے رہے ہیں۔ آپ کو اہلِ حدیث مکتبِ فکر کے مشہور مولوی ابراہیم صاحب میر سیالکوٹی سے بھی شرف تلمذ حاصل ہے۔ آپ کو مرکزی جمیعت اہلِ حدیث پاکستان میں بھی مقام حاصل تھا۔ آپ دیو بندی مکتبِ فکر کے مشہور مولوی احمد علی صاحب شیر انوالہ دروازہ لاہور کے داماد بھی تھے۔

یہ کتاب عرصہ سے نایاب تھی۔ لہٰذا اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ کو یہ شرف حاصل ہُوا ہے کہ مولوی صاحب کی اس گراں قدر خدمت کو منظرِ عام پر لائے۔ تاکہ لوگ اس سے مستفیض ہوتے ہوئے اپنے اکابرین کی تحریر کے مطابق اپنے عقائد کو عملی جامہ پہنائیں۔

ناشر

اسلامی کتب خانہ، سیالکوٹ

(اُردو ڈائجسٹ پرنٹرز ۱۴۴ سرکلر روڈ لاہور)

کراماتِ اہلحدیث

چونکہ کرامات کا ظہور عام طور پر اولیاء اللہ ہی سے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس لئے
عوام میں یہ مشہور ہو گیا ہے۔ کہ جماعت اہلِ حدیث میں کوئی ولی نہیں ہُوا۔ اسی لئے تو نہ وہ
کرامات کو مانتے ہیں۔ اور نہ ان میں کوئی اہلِ کرامت ہُوا ہے۔ اہل حدیث چونکہ عام طور پر جھوٹے
ولیوں کی کرامات کا انکار کرتے ہیں۔ ان کو استدراجی و شیطانی حرکات کو کرامت قرار نہیں دیتے
اس لئے بھی عوام ان سے بدظن ہیں۔ اور کہتے ہیں کہ یہ اولیاء اللہ ہی کے منکر ہیں۔ اور انکی
کرامات کے بھی قائل نہیں ہیں۔ مدّت ہُوئی۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہُوا۔ کہ اہلحدیث
کی طرف سے اس اعتراض کی بایں طور تردید ہونی چاہیئے۔ کہ نفس مسئلہ کی بھی وضاحت ہو
جائے۔ اور عوام پر یہ بھی روشن ہو جائے کہ بفضلہٖ جماعت اہلحدیث میں بے شمار افراد
اہلِ کرامت ہوئے ہیں۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ جتنے حضرات اہلحدیث میں اہلِ کرامت ہوئے
ہیں۔ اِتنے کسی اور جماعت میں نہیں ہوئے۔ کرامت کا تعلق ولی سے ہے۔ اور ولی وہی
ہو سکتا ہے۔ جو سنّت کا عاشق اور رسول خدا صلعم کا گرویدہ ہو۔ اور ظاہر ہے۔ کہ اہلِ
حدیث سے زیادہ سنّت نبوی کا پابند اور رسول کا مُحبّ اور کون ہو سکتا ہے۔ آجکل نام
کے اہل حدیثوں کو نہ دیکھئے۔ کیونکہ فی زمانہ تو کثرت سے ایسے ہی اہلحدیث کہلانیوالے
ہیں۔ جو بدنام کنندہ نکونامے چند" ہیں یا "برعکس نہند نام زنگی کافور" کے مترادف ہیں۔ میرا
دعویٰ ان مخلص۔ بے ریاء عامل بالحدیث محب رسول اہلحدیث حضرات سے ہے۔ جو صحیح
معنوں میں اہلحدیث اللہ کے پیارے تھے۔ رسولؐ کے دلارے تھے نہ سب اہلحدیث ایسے
ہیں کہ وہ قابلِ نفرت ہوں۔ اور نہ سب ایسے ہیں۔ کہ وہ اولیاء اللہ کے رتبہ میں پہنچ چکے
ہوں۔ بہر حال اہلحدیث کو دیکھنے اور جانچنے کے لئے ضروری ہے۔ کہ یہ دیکھ لیا جائے۔ کہ
اس کا تعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے کتنا ہے۔ اور وہ سنّت کا کہاں تک پابند ہے پس
جس شخص کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے جتنا گہرا تعلق ہوگا اور اسے آپ کی سنّت کا عشق
ہوگا۔ وہ اتنا ہی زیادہ مقبول بارگاہِ ربانی ہوگا۔ اور ولی کہلا سکے گا۔

اس مضمون میں مَیں پہلے بزرگوں کا تذکرہ نہیں کروں گا۔ بلکہ دورِ حاضرہ کے اہلحدیث حضرات کا نمونہ پیش کروں گا۔ جن میں سے اکثر کو آپ جانتے اور پہچانتے ہیں۔ کہ وہ اہلِ حدیث تھے اور صاحبِ کرامت بھی تھے۔ اور یہی میں اس مضمون میں ثابت کرنا چاہتا ہوں۔

خادم عفی عنہٗ

کرامت کی حقیقت

کرامت کی تعریف شرح عقائد میں یوں مرقوم ہے — ظهور امر خارق للعادة من قبله غير مقارن لدعوة النبوة فما لا يكون مقارنا بالايمان والعمل الصالح يكون استدراجا۔

یعنی کرامت اس امر خلاف عادت عامہ (یا خلاف قانون قدرتِ عامہ) کو کہتے ہیں۔ جو کسی ولی کی طرف سے ظاہر ہو۔ نہ نبی اور کافر کی طرف سے جو نبی سے بصورت تحدّی ظاہر ہو اُسے معجزہ کہتے ہیں۔ اور جو کافر سے صادر ہو۔ اُسے استدراج کہتے ہیں بس معجزہ کرامت استدراج خرقِ عادت عامہ ہونے میں مشترک ہیں۔ یعنی بظاہر تینوں خلافِ قانونِ قدرتِ عامہ نظر آتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ نے معجزہ (جسے عرفِ شرع میں آیت (نشان) کہتے ہیں) کے لئے قرار دی ہے۔ کہ وہ امر ایسا ہو جس کو جن وانس نہ کر سکیں۔ تحدّی کی شرط کو انہوں نے اڑا دیا ہے۔

استدراج یعنی جو امر کسی کافر کے ہاتھ پر ظاہر ہو۔ اور وہ عادت عامہ (قانون قدرت عام) کے خلاف ہو۔ اس کا منشاء اور مصدر قویٰ انسانی اور شیطانی کو قرار دیا ہے۔ پس معجزہ اور استدراج بالکل الگ الگ چیزیں ہیں۔

کرامت کے لئے یہ شرط نہیں کہ وہ ایسی ہو جس کو جن وانس نہ کر سکیں۔ کرامت میں صرف یہ شرط ہے کہ اس کا منشاء قویٰ الٰہیہ اور ملائکہ ہوں۔ یا انسانی قویٰ کو ہی بصورت بسط معہود کے خلاف کر دیا جائے۔ یا جس سے اکرام سمجھا جائے۔

خرق عادت

خرقِ عادت جسے عرفِ عام میں خلاف قانونِ قدرت کہا جاتا ہے۔ درحقیقت ہم اپنے قلتِ علم کی وجہ سے اسے یہ نام دے رہے ہیں۔ ورنہ کوئی چیز بھی ایسی نہیں جو خلافِ قانونِ قدرت ہو۔ ہم محض اس

لئے اسے خلاف قانون قدرت کہہ دیتے ہیں کہ ہم خود "قانون قدرت" کا پورا پورا علم نہیں رکھتے۔ جو چیز ہمارے علم اور فہم میں آگئی اُسے ہم نے قانون قدرت سمجھ لیا۔ اور جس چیز کو نہ جانا اُسے خلاف قانون قدرت قرار دے دیا۔ پس صحیح بات یہ ہے۔ کہ جہاں میں کوئی چیز بھی خرق عادت یا خلاف قانون قدرت نہیں ہے۔ حتّٰی کہ معجزات کے لئے بھی اسباب خفیہ ہوتے ہیں۔ جنہیں ہم نہیں جانتے۔ چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث فرماتے ہیں۔ کہ "خرق عادت سے عادت عامہ کے خلاف ہونا مُراد ہے۔ بعض صورتوں میں ان کے اسباب خفیہ کا وجود عقل کے دائرہ علم میں آجاتا ہے اور بعض صورتوں میں ان اسباب کی تہ تک پہنچنا بجز نور نبوّت وعطا الٰہی کے ناممکن ہوتا ہے۔ عوام کے نزدیک یہ دونوں خلافِ عادت الٰہیہ کے موافق ہیں۔ اس لئے خرق عادت کو لفظ خرقِ عادت عامہ کے ساتھ تعبیر کرنا چاہیئے۔

پس قدرت کا جو فعل عام سننِ طبیعتہ کے سلسلہ میں ظہور پذیر ہوگا۔ وہ تو اس کی عام سنّت اور قانون قدرت کہلائے گا۔ اور جو ظاہری اسباب سے علٰیحدہ ہوکر کسی خاص مصلحت اور حکمت کے اقتضاء سے ظاہر ہوگا۔ وہ خرقِ عادت عامہ میں داخل ہوگا۔ اور یہی خرقِ عادت عامہ جب کسی شخص کے دعوٰیٔ نبوّت اور تحدّی کے بعد اس سے صادر ہو۔ تو وہ معجزہ ہے۔ جو من جانب اللہ اس کے دعوےٰ کی فعلی تصدیق ہے۔ لیکن اس کے مشابہ جب کوئی خرقِ عادت کسی نبی کے دعوائے نبوت یعنی بعثت اور تحدّی سے پہلے ظاہر ہو۔ تو اس کو ارہاص کہتے ہیں۔ اور اگر کسی غیر نبی کے ہاتھ پر اتباع نبی کی برکت سے اس قسم کے خارق عادات علامات دکھلائے جائیں۔ تو اس کا نام کرامت ہے۔ اور جب یہی علامت کسی ایسے شخص سے صادر ہوں۔ جو کافر ہو یا خلافِ شرع اُمور کا مرتکب ہو۔ تو اُسے استدراج کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ شیطانی اثر سے صادر ہوتے ہیں۔ جب کوئی انسان شیطان کے ساتھ تعلق پیدا کرلیتا ہے یا کچھ مناسبت ان کے ساتھ رکھتا ہے تو شیطان اسے اپنا آلۂ کار بنالیتے ہیں۔ اور مختلف صورتوں میں اس کی مدد کرتے ہیں۔ کبھی۔

۱۔ اسے دُور دراز کی باتیں بتلاتے ہیں ۲۔ دوسروں کے ما فی الضمیر سے آگاہ کرتے ہیں ۳۔ اس کے دشمن اور مخالفین کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ ۴۔ اس کی حاجات جو ان شیاطین کی طاقت میں ہوتی ہیں۔ پوری کرتے رہتے ہیں۔ ۵۔ اس کی مالی مدد بھی کرتے ہیں۔ ۶۔ اُسے ہوا میں اُڑ کر لے جاتے ہیں۔

جب عوام یہ باتیں دیکھتے ہیں۔ تو وہ اُسے بھی ولی کہنے اور سمجھنے لگتے ہیں حالانکہ وہ اس کی کرامت نہیں ہوتی۔ بلکہ استدراج ہوتا ہے۔ جو ہر منکر اسلام اور کافر یا مشرک بھی کسی خاص ریاضت یا مدوّنہ علم کی بناء پر حاصل کر لیتا ہے۔ اسی لئے بعض صوفیاء اور اہل اللہ نے کہا ہے کہ اگر تمہیں کوئی آگ پر چلتا اور ہوا میں اڑتا ہوا دکھائی دے۔ تو اُسے ولی نہ سمجھو۔ جب تک کہ اُسے متبع کتاب وسُنّت نہ پاؤ۔

کرامت اور استدراج میں فرق

کرامت اور استدراج بادی النظر میں بعض وقت مشتبہ ہو جاتے ہیں۔ ان میں فرق صرف متصف اور منشاء کے اعتبار سے ہوتا ہے۔ اور استدراج کا متصف گمراہ۔ فاسق یا کافر اور مشرک ہوتا ہے۔ کرامت میں عموماً منشاء۔ غیر قوی بشریہ وشیطانیہ ہوتے ہیں۔ اور استدراج میں منشاء قوت طبعیہ وشیطانیہ ہوتے ہیں۔ اور سمجھنے والوں کے نزدیک ان دونوں میں ایسا فرق ہے جیسا کہ ایک نجیب الطرفین مولود اور ولد الزنا میں ۔کہ بظاہر دونوں بچے یکساں شکل وصورت رکھتے ہیں۔ اور حسّی طور پر دونوں ایک ہی طرح کی حرکت وعمل کا نتیجہ ہیں۔ اگر محض اس لئے کہ ان میں سے ایک بچہ فعل حرام کا نتیجہ اور دوسرا عمل مشروع اور طیّب کا اثر ہے۔ ہم پہلے کے تولد کو مذموم اور قابل نفرت اور دوسرے کی ولادت کو محمود اور موجب مسرت وانبساط سمجھتے ہیں۔

ٹھیک اسی طرح جو "خوارق عادات عامہ" اتباع رسول اور خدائے واحد کی پرستش کا نتیجہ ہوں۔ وہ کرامات اولیاء کہلاتی ہیں۔ جن کے مبارک ومحمود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اس کے برخلاف جو "خوارق" اتباع شیطان۔ فسق وفجور۔ وظائف[۱] شرکیہ کے ثمرات سے ہوں ان کا نام استدراج اور تصرّف شیطانی ہے۔

پس اب نتیجہ کے طور پر ہمیں صاف صاف کہہ دینا چاہیئے۔ کہ کرامات سے ولی نہیں پہچانا جا

سکتا، بلکہ ولی سے کرامات کی شناخت ہوتی ہیں۔ یعنی عرف عام میں یہ جو مشہور ہے۔ کہ جس سے
کرامات کا صدور ہو وہ ولی ہے۔ یہ غلط ہے بلکہ پہلے کسی کو ولی جانو۔ اور یہ پہچانو کہ وہ ولی
ہے یا نہیں؟ اگر وہ اہل توحید اور متبع سنّت ہو اور ولی ثابت ہو تو پھر اس سے جو کچھ صادر ہوگا
وہ کرامت ہوگی۔ ورنہ استدراج اور کرامت میں آپ قطعاً کوئی تمیز نہیں کر سکیں گے۔

اولیاء اللہ کی پہچان

ائمہ حدیث نے جس حدیث کو "ام الاحادیث" یا "ام الجوامع" کے
نام سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں یہ مذکور ہے کہ جبرائیل امین نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے احسان کے متعلق سوال کیا۔ تو حضور نے جواباً فرمایا۔

الاحسان ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک

یعنی اس حدیث میں حضور نے احسان (یعنی اخلاص) کے دو درجے فرمائے۔ اعلیٰ درجہ
تو یہ ہے کہ عبادت میں ایسا حضور ہو کہ گویا خدا تعالیٰ کو دیکھتا ہے۔ اسے مشاہدہ کہتے ہیں۔
اور ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ تصور اور یقین کرے۔ کہ خدا مجھے دیکھتا ہے۔ اسے مراقبہ کہتے ہیں۔
آج جسے تصوف اور درویشی کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ زبان نبوی سے اسے "احسان"
کہا گیا ہے۔ عوام ظاہری احکام کو شریعت اور تصفیہ باطن کو طریقت اور مشاہدہ و مراقبہ کو۔
حقیقت کہتے ہیں۔ مگر اس حدیث میں حضور نے تینوں مقامات کا تفصیلی ذکر کر دیا ہے جس سے
معلوم ہوتا ہے کہ دین اسلام میں کامل وہی شخص ہے جو ان تینوں کا جامع اور عامل ہو۔ اگر کوئی
پہلی پانچ باتوں توحید۔ نماز۔ روزہ۔ حج زکوٰۃ کا پابند نہ ہو۔ اور آخری نمبر کا دعویدار ہو۔ تو وہ
جھوٹا ہے۔ اور اگر پہلی پانچ باتوں پر جا رہے اور آگے قدم نہ اٹھائے اور "احسان" کی عملی
تفسیر بن کر نہ دکھائے تو وہ بھی ناقص ہے۔

پس ایک ولی اللہ کے لئے ضروری ہے کہ وہ اسلام کے ارکان خمسہ کا پابند ہو۔ اور
پھر اپنی ساری قوتیں عبادت میں صرف کر دے۔ عبادات میں اعلیٰ ترین درجہ نماز کو دیا گیا
ہے۔ اور نماز ہی کے متعلق حضور کے الفاظ ہیں۔ قرۃ عینی فی الصلوٰۃ نماز میری آنکھوں کی
ٹھنڈک اور دل کی مسرت ہے۔ پھر فرمایا۔ الصلوٰۃ معراج المومنین نماز مومن کی معراج ہے۔ پھر
ارشاد ہوا۔ قد افلح المومنون ہ الذین ہم فی صلاتہم خاشعون ۔ یعنی وہی مومن فلاح

پائیں گے، جو نمازیں خشوع وخضوع سے ادا کرتے ہیں۔ پھر حضور فرماتے ہیں، کہ صلّوا کَمَا رَأَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ۔ نماز ایسی پڑھو جیسی میں پڑھتا ہوں۔

تو اس سے معلوم ہُوا کہ حضور نے احسان (تصوف) کا تمام دار و مدار نماز بطریق سنّت ادا کرنے پر موقوف گردانا ہے۔ پس جو شخص نماز میں خشوع وخضوع قائم نہیں کرتا۔ وہ کبھی ولی نہیں ہو سکتا۔

شیخ مرشد، صوفی، ولی کے لئے ضروری ہے کہ وہ متبع سنّت ہو اور حضور کی سی نماز پڑھتا ہو، خواہ اس سے کوئی کرامت سرزد ہو یا نہ۔

کرامت کی شرعی حیثیت

شریعت نے ہر ولی کے لئے کرامت ضروری قرار نہیں دی، پس کرامات کی مدار ولایت نہ سمجھنا چاہیئے۔ کیونکہ کرامت دلیل ولایت نہیں ہے۔ ولایت صرف ایمان اور تقویٰ کا نام ہے۔ اسلام میں ہر مومن اور متقی ولی اللہ ہے، اور ہر ولی اللہ کے لئے معصوم ہونا بھی شرط نہیں اور نہ خطا سے بچنا اس کا خاصہ ہے۔

حضرت ابو علی جوزجانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔

کُنْ طالبًا للاستقامۃ لا طالبا للکرامۃ فان نفسک متحرکۃ فی طلب الکرامۃ و ربک یطلب منک الاستقامۃ استقامت کے طالب بنو نہ کرامت کے، طلب کرامتِ نفس کی خواہش ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں تو استقامت مطلوب ہے۔

حضرت ملا علی قاریؒ نے شرح فقہ اکبر میں حضرت شیخ سہروردی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول نقل کیا ہے، جس کا ترجمہ یہ ہے،

بعض عابدین جب جانفشانی سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے والے متقدمین سلف صالحین کے حالات اور ان کی خرق عادات کا ذکر سنتے ہیں، تو ان کو بھی خوارق کی خواہش پیدا ہو جاتی ہے۔ اگر ان کو کوئی خرق عادت علامت حاصل نہ ہو۔ تو یہ خیال کرنے لگتے ہیں، کہ شاید ہمارے عمل میں قصور ہے۔

اگر وہ حقیقت سے واقف ہوتے تو خرق عادت کو معمولی سمجھتے" اور یقین کرتے کہ بعض عابدین پر صدور خوارق کی یہ وجہ ہوتی ہے۔ کہ ان کا یقین بڑھ جائے زہد فی الدنیا میں ان کا ارادہ پختہ ہو جائے اور اسباب ظاہری سے دست بردار ہو جائیں۔ پس صادق راستباز کو چاہیئے۔ نفس کو استقامت پر مجبور کرے۔ کہ یہی دراصل کرامت ہے۔

حافظ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن و اولیاء الشیطٰن" میں ایک جگہ فرماتے ہیں کہ" اس امر کا پہچاننا نہایت ضروری ہے۔ کہ بعض کرامات آدمی کی ضرورت کی وجہ سے ہوتی ہیں۔ جب کوئی آدمی ایمان میں کمزور یا کسی چیز کا محتاج ہو۔ تو ان کرامات سے اللہ پر ایمان قوی ہو جاتا ہے۔ اور حاجت رفع ہو جاتی ہے۔ مگر جس صاحب کا ایمان قوی ہوگا۔ اس کو ان کرامات کی ضرورت نہ ہوگی۔ علو مراتب اور استغنا کی وجہ سے اس پر کرامت کا ظہور نہ ہوگا۔ یہی وجہ ہے کہ تابعین میں بہ نسبت صحابہ کرام کے کرامات زیادہ ظاہر ہوئیں۔

پھر امام ابن تیمیہ ایک دوسرے مقام پر ارقام فرماتے ہیں۔

خرق عادت سے بسا اوقات آدمی کا درجہ کم ہو جاتا ہے۔ اس لئے اکثر صالحین ایسی باتوں سے استغفار کرتے رہے۔ جیسے دیگر گناہوں سے توبہ کی جاتی ہے۔ بعض پر کرامات کا ظہور ہوتا۔ تو وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے دور ہونے کا سوال کرتے اور سب کے سب اپنے طالبوں، سالکوں سے یہی کہتے رہتے کہ کرامات پر اعتماد نہ کرنا۔ نہ ان کو مطمع نظر قرار دینا۔ نہ ان سے خوش ہونا۔ اگرچہ تمہارے خیال میں وہ کرامات ہی کیوں نہ ہوں۔

المختصر آئمہ ہدیٰ نے شرعی نقطہ نگاہ سے کرامت کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی۔ نہ اُسے ولایت کا جزو قرار دیا ہے کہ ہر ولی سے کرامت کا صدور ضروری ہے۔ اگر کسی متبع سنت مومن کامل اور متقی پرہیزگار سے کرامت کا ظہور ہو جائے۔ تو اس سے انکار بھی نہیں۔ یہی عقیدہ اہلحدیث اور اہل سنت والجماعت کا ہے۔ اور یہی ہر مسلمان کا ہونا چاہیئے۔ اور افراط تفریط سے بچنا چاہیئے۔ کہ جس سے کرامت ظاہر ہو۔ وہ ولی ہے۔ اور جس سے کوئی کرامت

ظاہر نہ ہو، خواہ وہ متقی، پرہیزگار، متبع سنت ہی کیوں نہ ہو وہ ولی نہیں ہے۔

اہلحدیث اور ولی

لوگ کہتے ہیں کہ اہل حدیث ولی نہیں ہوتے۔ مگر ہم کہتے ہیں اور دعویٰ سے کہتے ہیں۔ اور بہ دلائل یہ ثابت کر سکتے ہیں کہ کوئی ولی ایسا نہیں جو اہل حدیث نہ ہو۔ سلف سے لیکر خلف تک اور صحابہ کرام سے لیکر اب تک تاریخ کی ورق گردانی کر لیجئے۔ آپ کو معلوم ہو گا۔ کہ کوئی ولی ایسا نہیں جو اتباع سنت کا شیدائی اور حب نبوی میں سرشار نہ ہو۔ پس جب کسی کے دل میں یہ دو چیزیں پیدا ہو جائیں گی تو وہ اہل حدیث نہ ہو گا۔ تو اور کون ہو گا۔ آیۃ کریمہ قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ پٓ۔ میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا امتحان لیا ہے۔ جو یہ دعوےٰ کرتے ہیں کہ ہم اولیاء اللہ ہیں۔ اور ہم اللہ تعالیٰ سے محبت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ جو رسول کا اتباع کرے گا۔ میں اس سے محبت رکھوں گا۔ اور اسے اپنا دوست بنالوں گا۔ پھر جو شخص اللہ تعالیٰ کی محبت کا مدعی ہو۔ اور رسول کا اتباع نہ کرے تو وہ اولیاء اللہ میں سے کیونکر ہو سکتا ہے۔ پس یقین جان لیجئے۔ کہ ولی بننے کے لئے اہلحدیث ہونا ضروری ہے۔ اور اہل حدیث ہونا ضروری ہے۔ اور اہلحدیث وہی ہو سکتا ہے۔ جو سنت اور حدیث کا گرویدہ ہو۔

اب ہم بتانا چاہتے ہیں۔ کہ جماعت اہلحدیث میں سے جو لوگ بھی اس منزل میں پہنچ گئے تھے۔ وہ ولی اللہ تھے۔ اور ان میں سے اکثر پر کرامات کا ظہور بھی ہوتا رہا ہے ہم آپ کو بہت دور زمانہ کے لوگوں کی باتیں نہیں سنائیں گے بلکہ قریب ترین زمانہ کے حالات پیش کریں گے۔ تاکہ آپ ان سے سبق و موعظت حاصل کر سکیں۔

کرامات مولانا عبدالرحمٰن صاحب لکھوی[1]

۱۔ مولوی قائم الدین صاحب سکنہ چک ٹرھیوالہ ضلع لائل پور کا بیان ہے۔ کہ جن دنوں میں مولانا عبدالرحمٰن صاحب کے ہاں لکھو کی پڑھا کرتا تھا۔ ان ایام کا واقعہ ہے۔

[1] آپ مولانا حافظ محمد بن بارک اللہ مصنف تفسیر محمدی کے صاحبزادہ ہیں۔ آپ ۱۲۵۳ ہجری

(باقی حاشیہ صلا پر دیکھئے)

کہ ایک بھنگی چرس فقیر آیا۔ جس کی ڈاڑھی تو صفاچٹ تھی۔ اور مونچھیں لمبی لمبی تھیں۔ ہاتھ میں چمٹا۔ بدن پر کملی۔ بشکل وصورت خلافِ شرع لگاتا تھا۔ اور کہتا تھا۔ کہ مولوی صاحب نشہ ٹوٹا ہوا ہے۔ کچھ دلواؤ۔ مولوی صاحب نے ایک طالب علم سے کہا۔ کہ اسے پیسہ دے دو۔ وہ بولا۔ ایک پیسہ سے کیا بنتا ہے اگر دینا ہے تو کچھ آپ دو۔ فقیر کا گل ٹوٹا ہوا ہے۔ نہ بھنگ ملی ہے نہ چرس۔ مولانا نے ایک نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور فرمایا۔ مجھ سے کچھ لینا ہے۔ جونہی اس کی نظر سے نظر ملی۔ وہ لڑکھڑا کر گرا اور سالیا گر کر بے ہوش ہوگیا۔ طالب علم اسے سنبھلنے کے لئے بڑھے۔ مگر وہ ایسا بے حس پڑا تھا۔ جیسے مردہ۔ تین گھنٹے وہ بے ہوش پڑا رہا جب ہوش سنبھالا۔ تو اٹھا مولانا نے پوچھا۔ کیوں بھائی کیا لینا ہے۔ وہ بولا جو لینا تھا وہ لے لیا بس مجھے مسلمان بنا دیجئے۔ مولانا نے حجام کو بلوایا اسکی مونچھیں اور لٹیں کٹوا دیں بھنگ چرس سے توبہ کرائی اور قرآن پڑھانا شروع کر دیا۔ مولوی قائم دین صاحب کا بیان ہے۔ کہ وہ فقیر ۱۰ برس تک مولوی صاحب کی خدمت میں رہا۔ اور اچھا خاصا عالم اور صوفی بن گیا۔

یں بمقام لکھو کے ضلع فیروز پور پیدا ہوئے۔ آپ کا نام تو عبدالرحمٰن تھا مگر محی الدین کے نام سے مشہور تھے۔ ۱۰ سال کی عمر میں قرآن کریم حفظ کیا۔ اور ۱۷ سال کی عمر میں علوم درسیہ متعارفہ سے فراغت پائی۔ طبیعت شروع ہی سے تصوف کی طرف مائل تھی اور کسی پیر طریقت کی تلاش تھی۔ ۲۲ سال کے تھے کہ غزنی پہنچے اور حضرت عبداللہ صاحب کی بیعت کی۔ حضرت عبداللہ صاحبؒ غزنوی کے پنجاب تشریف لانے اور امرتسر قیام فرمانے پر تو ہزارہا لوگوں نے فیض پایا۔ مگر غزنی پہنچ کر السابقون السابقون کا مرتبہ آپ ہی نے حاصل کیا تھا۔ حضرت عبداللہ صاحب کو آپ سے بہت محبت تھی۔ چنانچہ آپ اکثر اوقات فرمایا کرتے تھے۔ کہ "ما و عبدالرحمٰن یکیست" پھر آپ کو مخاطب کرکے یہ بھی فرمایا: "درمیان ما و شما مناسبت در ازل بود" چنانچہ عبداللہ صاحبؒ آپ کو آپ کو اپنا نائب بھی قرار دے دیا تھا۔ آپکو اکثر الہام ہوا کرتے تھے۔ جو الگ رسالہ کی شکل میں مطبوع ہیں۔ آخری عمر میں الہام ہوا۔ یا ایتھا النفس المطمئنۃ ارجعی الیٰ ربک راضیۃ مرضیۃ۔ فادخلی فی عبادی وادخلی جنتی۔ جس پر آپ حج کے لئے روانہ ہو گئے اور مدینہ منورہ پہنچ کر بعد زیارت روضۂ نبوی حضرت عمر فاروق والی دعا اللّٰھم ارزقنی شھادۃ فی سبیلک واجعل موتی ببلد رسولک نہایت خشوع خضوع سے کی جس کا نتیجہ یہ ہوا۔ کہ آپ پیٹ کی بیماری میں مبتلا ہوگئے اور ۷۶ سال کی عمر میں ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۱۲ھ کو بروز جمعہ وہیں شہادت پاکر جنت البقیع میں مدفون ہوگئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کا قطعہ تاریخ ہے ؎

در مدینہ فوت شد قطب زمان — دیگر — صادقین را نور حق تا بر سلام

۱۳ ۳ ۱۳ ۳

۲۔ ایک بار مولینا موصوف معہ چند طلباء کے نہر پر جو لکھوکی سے قریب ہی تھی غسل
کے لئے تشریف لے گئے۔ نہر کے متصل ہی ایک سڑک گذرتی ہے۔ جو فیروز پور کی طرف سے
آتی ہے۔ اس پر دو سوار گزر رہے تھے جن میں سے ایک محمود نامی ڈوگر تھا۔ یہ بہت بڑا زمیندار
مغرور اور متکبر انسان تھا۔ اور اسے اہلحدیث سے خاص عداوت تھی۔ اس نے بارہا یہ کہا تھا۔
کہ اگر مولوی عبدالرحمٰن مجھے اکیلا کہیں مل گیا تو میں اُسے جان سے مار ڈالوں گا۔ کیوں کہ اس نے
سارے علاقہ میں وہابیت پھیلا دی ہے۔ کسی طالب علم نے مولانا سے ذکر کر دیا۔ کہ محمود آپ کا
اشد ترین دشمن ہے۔ اور وہ جا رہا ہے۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ اُسے بلالو۔ اور کہو کہ جو کچھ کرنا
ہے یہیں کر لے۔ طالب علم نے آواز دی۔ کہ میاں محمود مولوی صاحب یہیں ہیں۔ آؤ اور اپنے
دل کے ارمان نکال لو۔ محمود آیا۔ گھوڑی سے اُترا۔ ابھی مولانا کے سامنے ہی آیا تھا۔ آنکھ سے
آنکھ ملی تھی کہ اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھ گیا۔ اور ہائے ہائے کرنے لگا۔ مولانا نے پوچھا۔ کیوں
بھائی کیا ہے؟ مجھ سے کیوں ناراض رہتے ہو وہ بولا حضرت مجھے معاف کیجئے۔ میری غلطی
تھی۔ میں نے آپ کے برخلاف بہت کچھ کیا۔ مگر اب اپنی غلطی کا اعتراف کرتا ہوں۔ اور
معافی چاہتا ہوں۔ مولانا نے کہا دل صاف کر لو۔ اور جاؤ اللہ تمہیں خوش رکھے وہ کہنے لگا۔
حضور اب کہاں جاؤں۔ ہاتھ بڑھائیے اور مجھے اپنا مرید بنائیے۔ اس واقعہ کا راوی مولوی
قائم دین صاحب کا بیان ہے کہ محمود کی آنکھ پر ایک موہکہ تھا۔ اور آنکھ ڈھانپ لیتا تھا جس
سے وہ سخت تنگ آ گیا تھا۔ اس نے عرض کیا۔ حضرت اس پر دم کر دیجئے۔ تاکہ اللہ مجھے اس
مصیبت سے بھی نجات دے۔ مولانا نے سورۃ فاتحہ پڑھ کر دم کیا۔ اور اس پر لب لگا دیا۔
محمود کا بیان ہے کہ اس کے بعد وہ موہکہ کچھ ایسا مٹا کہ پھر کبھی ظاہر نہیں ہوا۔ اور مجھے ہمیشہ ہمیشہ
کے لئے اس سے نجات مل گئی۔

۳۔ موضع لکھوکی سے کچھ فاصلہ پر ایک جیئی نامی گاؤں تھا۔ جہاں کا سردار جلال الدین
عرف جلو بہت بڑا زمیندار اور کئی گاؤں کا مالک تھا۔ جلو کے ہاں اولاد نہ ہوتی تھی۔ اس نے کئی
بیویاں کر رکھی تھیں۔ مگر پھر بھی وہ اولاد سے محروم تھا۔ پنجاب میں یہ رواج ہے۔ کہ جب
کسی کے ہاں اولاد نہ ہوتی ہو تو وہ پیروں فقیروں۔ جوگیوں۔ مست قلندروں خانقاہوں اور

قبروں کی طرف رجوع کرتا ہے اور ان سے اولاد چاہتا ہے۔ جلّو بھی اس خیال کا آدمی تھا۔ اور اور جہاں کسی فقیر کا پتہ چلتا تھا۔ وہیں اُٹھ دوڑتا تھا۔ ایک بار اُسے پتہ چلا۔ کہ فیروز پور شہر میں ایک مستانہ ہے جو مجذوب ہے اور بالکل ننگ دھڑنگ رہتا ہے۔ وہ اس کے پاس گیا۔ اور اس سے بیٹا مانگا۔ مجذوب بولا نالائق! اگر بیٹا لینا ہے تو لکھوکی جا۔ جلّو نے دل میں کہا کہ وہاں تو سب وہابی ہی وہابی ہیں۔ بھلا وہاں بیٹا کیسے ملے گا۔ مجذوب نے کہا۔ نالائق جاتا نہیں۔ تجھے بیٹا یہاں سے نہیں، بلکہ وہاں ہی سے ملے گا۔ جلّو اس مستانہ کے ارشاد پر لکھوکی پہنچا۔ اور مولانا عبدالرحمٰن سے سارا واقعہ بیان کر دیا۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے کہا۔ کہ میں دعا تو کر دیتا۔ مگر تو منکر قرآن ہے تیرے حق میں میری دُعا قبول نہ ہو گی۔ جلّو نے کہا۔ میں نے کب قرآن کا انکار کیا ہے۔ آپ نے پوچھا۔ کہ تیری کتنی بیویاں ہیں۔ اس نے کہا سات آپ نے فرمایا کہ قرآن تو چار سے زیادہ اجازت نہیں دیتا۔ پھر تو نے سات کیوں کیں۔ اس نے کہا۔ جو حکم ہو میں اس پر عمل کروں۔ آپ نے فرمایا کہ تین کو ابھی طلاق دے دے۔ گاؤں میں مسجد بنوا۔ خود نماز پڑھنے کا اقرار کر اور دوسروں کو بھی نماز کی تلقین کر۔ تو میں تیرے لئے دُعا کرتا ہوں۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے دُعا فرمائی۔ خدا کی قدرت اگلے ہی سال اس کے ہاں فرزند تولد ہُوا۔ وہ دوڑا دوڑا آیا۔ اور مولانا کو لے جانا چاہا۔ مگر آپ نہ گئے۔ اور کہا۔ کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ عوام یہ سمجھنے لگیں۔ عبدالرحمٰن نے بیٹا دیا ہے۔ پھر اس نے عرض کیا۔ کہ حضور آپ اس کی تردید کر دیں اور توحید کا وعظ کہیں۔ تاکہ ہمارے گاؤں بھی کچھ توحید و سنت سے آشنا ہو جائیں۔ چنانچہ اس پر آپ وہاں گئے۔ اور کئی دن تک وہاں وعظ کئے۔ اور سب کے سب گاؤں اہلحدیث ہو گئے۔ روانگی پر سردار نے آپ کو بہت کچھ دینا چاہا۔ مگر آپ نے ایک حبّہ تک قبول نہ کیا۔

۴۔ حضرت مولانا غلام نبی الربّانی سوہدروی کا بیان ہے کہ مولانا ابوسعید محمد حسین صاحب بٹالوی نے ایک بار اپنے رسالہ اشاعۃ السنّۃ میں مرزا قادیانی کو چیلنج دیا۔ کہ وہ ہمارے ایک صوفی کے ساتھ روحانی مقابلہ کرے۔ اگر وہ کامیاب ہُوا تو ہم اس کا ساتھ دیں گے اور اگر وہ ناکام ہُوا تو اپنے دعوے سے تائب ہو جائے۔ یہ روحانی مقابلہ دونو کو الگ مکان

میں بیٹھا کر سات دن تک رہے گا۔ مرزا جی نے اس سے انکار کر دیا۔ کہ میں ایسا نہیں کر سکتا
مولانا غلام نبی صاحب کا بیان ہے کہ میں نے مولانا محمد حسین صاحب سے پوچھا کہ وہ کون صوفی
تھے ؟ جن پر آپ کو اتنا اعتماد ہے کہ مرزا جی کو ایسا اہم اور ذمہ دارانہ الٹیمیٹم دے دیا۔
مولانا محمد حسین صاحب نے فرمایا۔ کہ وہ صوفی عبدالرحمٰن صاحب لکھوی ہیں۔ مجھے ان کی
روحانی طاقت پر اتنا اعتماد اور وثوق ہے کہ اگر مرزا مان جاتا۔ تو یقیناً اس مقابلہ میں زندہ
نہ بچتا۔

۵۔ مولانا عبدالرحمٰن صاحب جب سفر حج کے لئے روانہ ہوئے اور بمبئی پہنچ کر جہاز کا
ٹکٹ خرید لیا۔ اور جہاز چلنے کو تھا۔ کہ آپ نے فرمایا۔ اس جہاز پر نہیں جانا چاہیئے چنانچہ
ٹکٹ واپس کر دیا گیا۔ ایک ہفتہ کے بعد دوسرے جہاز نادری کا ٹکٹ خریدا۔ جب وہ
تیار ہُوا۔ تو آپ نے پھر یہی فرمایا۔ کہ اس جہاز پر بھی نہیں جانا چاہیئے۔ ہمراہی حیران
تھے۔ کہ مولانا کیا کر رہے ہیں۔ جان بوجھ کر روانگی میں تاخیر کرتے ہیں۔ مگر بالآخر آپ کا
کہا مانا اور وہ ٹکٹ بھی واپس کیا۔ پھر تیسرے جہاز پر سوار ہوئے جب جدّہ پہنچے۔ تو معلوم
ہُوا۔ کہ پہلے دونوں جہازوں میں بیماری پھیل گئی تھی۔ اور حکومت نے انہیں چالیس چالیس
دن کے لئے کامران روک لیا ہے۔ یعنی اگر وہ لوگ ان جہازوں میں سوار ہوتے تو ۸۰ دن بعد
جدّہ پہنچتے۔ کسی نے مولانا سے پوچھا۔ کہ آپ کیونکر پتہ چلا تھا۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ الہام ہوا تھا

نوٹ :۔ آپ کے بہت سے الہامات اور کرامات اور بھی ہیں۔ مگر یہاں
صرف انہیں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ (خادم عفی عنہ)

کراماتِ مولانا غلام رسول صاحب قلعوی[1]

۱۔ ایک بار قلعہ میہاں سنگھ میں ایک حجام
آپ کی حجامت بنا رہا تھا۔ کہ اس نے یہ شکایت
کی حضور میرا بیٹا کئی سال سے باہر گیا ہُوا ہے جس کا ہمیں کچھ پتہ نہیں۔ کہ کہاں ہے۔ زندہ
ہے یا مر گیا ہے۔ بس ایک ہی بیٹا تھا۔ اس کی فکر میں ہم تو مرے جا رہے ہیں۔ آپ تھوڑی دیر

---

[1] آپ قلعہ میہاں سنگھ ضلع گوجرانوالہ میں رہتے تھے۔ ۱۲۲۸ھ میں بمقام کوٹ بھوئیداس پیدا
ہُوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے والد بزرگوار مولانا رحیم بخش صاحب سے حاصل کی۔ کتاب و سنّت کی

(باقی حاشیہ صفحہ ۱۵ پر دیکھیئے)

خاموش رہے۔ پھر فرمایا۔ میاں وہ تو گھر بیٹھا ہے۔ اور روٹی کھا رہا ہے۔ جاؤ بیشک جا کر دیکھ لو۔ حجام گھر گیا۔ تو سچ مچ بیٹا آیا ہوا تھا۔ اور کھانا کھا رہا تھا۔ بیٹے سے ماجرا پوچھا۔ تو اُس نے کہا۔ کہ ابھی ابھی میں سکھر سندھ میں تھا۔ معلوم نہیں مجھے کیا ہوا اور کیونکر طرفۃ العین یہاں پہنچ گیا۔

۲۔ فضل الدین نمبر دار ساکنہ مان ضلع گوجرانوالہ کا بیان ہے۔ کہ میں نے ایک ساہوکار سے بارہ سو روپیہ قرض لیا تھا۔ اور وہ مجھے بہت تنگ کر رہا تھا۔ چنانچہ ایک بار تو اس نے مجھے نوٹس دے دیا۔ اور قریب تھا۔ کہ دعوے کر کے مجھے ذلیل کرتا۔ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہوا اپنی عزت اور ناداری کا ذکر کیا۔ اور دعا کی فرمائش کی۔ آپ نے فرمایا۔ گھبراؤ نہیں۔ جاؤ چار آدمی ساتھ لے کر اس سے حساب کرو۔ صرف بائیس روپیہ نکلیں گے۔ وہ ادا کر دینا۔ فضل الدین حیران ہوا۔ کہ میں نے ابھی تک اُسے دیا لیا تو کچھ ہے نہیں۔ بھلا بائیس روپیہ کیونکر نکلیں گے آپ نے فرمایا جاؤ تو بائیس روپیہ سے زیادہ نہیں نکلیں گے۔ وہ چند دوستوں کو ساتھ لیکر گیا۔ اور ساہوکار سے کہا کہ بہی کھاتہ لاؤ۔ اور میرا حساب صاف کر لو۔ ساہوکار نے بہی نکالی۔ تو دیکھا کہ اس کے حساب میں کہیں لکھا ہے۔ فلاں تاریخ کو اتنی گندم لی۔ اتنا تمباکو وصول ہوا اتنی کپاس آئی علٰی ہٰذا القیاس سارا حساب جو لگایا تو بقایا صرف ۲۲ روپیہ نکلے۔ ساہوکار بھی حیران تھا۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے۔ اور فضل الدین بھی حیران تھا۔ مگر بہی کھاتہ کے مطابق بائیس روپیہ دے کر حساب صاف کر دیا گیا۔

لگن پہلے ہی سے لگ چکی تھی۔ حدیث میاں نذیر حسین صاحب محدث دہلوی سے پڑھی پھر جب ۱۲۸۸ھ میں حج پر تشریف لے گئے تو مولانا شیخ عبد الغنی صاحب محدث مدنی سے بھی اجازت حاصل کی۔ روحانی سید میر صاحب کوٹھہ والا سے حاصل کیا۔ جو مولانا سید احمد صاحب بریلوی کے مرید تھے۔ مولانا عبد اللہ صاحب غزنوی سے بھی آپ کا گہرا تعلق رہا۔ آپ صوفی منش ہونے کے باوجود مشہور واعظ بھی تھے۔ اور وعظ میں اتنا اثر اور سوز ہوتا تھا۔ کہ اکثر غیر مسلم وعظ۔ سنتے ہی مسلمان ہو جاتے تھے۔ آپ شاعر بھی تھے۔ قوم کے اعوان تھے۔ ۶۳ سال کی عمر میں ۱۲۹۱ھ میں بروز جمعرات انتقال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آپ کی سوانحمری الگ چھپ چکی ہے۔

۳۔ اسی فضل الدین زمیندار ساکن مانؔ کا بیان ہے کہ میرے پاس کوئی گائے بھینس نہ تھی کہ گھر والوں کو دودھ گھی مل سکتا۔ پاس کوئی رقم بھی نہ تھی کہ گائے بھینس خریدی جا سکتی۔ ایک بوڑھی سی بھینس تھی جس سے ہم مایوس ہو چکے تھے۔ کہ وہ اب گابھن نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ بہت بوڑھی اور کمزور ہو چکی ہے۔ میں نے مولانا سے عرض کیا کہ دعا کریں۔ خدا کوئی دودھ گھی کا انتظام کر دے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ تمہاری وہی بھینس گابھن ہو چکی ہے۔ اور عنقریب بچہ دینے والی ہے۔ وہ مدت تک دودھ دیتی رہے گی۔ تم فکر نہ کرو۔ فضل الدین کا بیان ہے۔ کہ سچ مچ تھوڑے ہی دنوں میں وہ بھینس دودھ دینے لگی۔ اور قریباً گیارہ دفعہ اس کے بعد سوئی (بچہ دیا) اور مدت دراز تک دودھ دیتی رہی

۴۔ میاں محمد چھٹو جو لاہور میں ایک مشہور سوداگر تھا۔ بیان کرتا ہے۔ کہ میں نے بہت سے گھوڑے بغرض فروخت کشمیر روانہ کئے۔ مگر تین مہینے گزر گئے۔ کوئی گھوڑا فروخت نہ ہُوا۔ میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ کہ حضرت دعا کیجئے۔ بہت نقصان ہو رہا ہے۔ اور مفت کا روزانہ خرچ پڑ رہا ہے۔ آپ نے فرمایا میاں! تیرے گھوڑے والئے کشمیر نے خرید لئے ہیں۔ اور تین ہزار روپیہ منافع ملا ہے میاں محمد حیران ہُوا۔ کہ ابھی ابھی تو خط آیا۔ کہ یہاں کوئی خریدار نہیں۔ اور آپ فرماتے ہیں کہ تین ہزار منافع ملا ہے۔ میاں محمد کہتا ہے کہ دوسرے دن خط آگیا۔ کہ سب کے سب گھوڑے فروخت ہو گئے اور تین ہزار منافع ہُوا۔

۵۔ شیخ عبداللہ نو مسلم جو موضع دلاور میں رہتا تھا۔ کہتا تھا۔ کہ جب میں مسلمان ہو گیا۔ تو میری بیوی نے اسلام سے انکار کر دیا۔ اور کہنے لگی۔ کہ میں تو کبھی مسلمان نہ ہوں گی۔ مجھے بہت صدمہ ہُوا۔ اور اسی صدمہ سے نڈھال ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ میں اُسے بہت چاہتا تھا۔ اور حد سے زیادہ محبت کرتا تھا۔ تمام اقربا بھی میرے دشمن ہو گئے۔ اور بیوی بھی از حد نفرت کرنے لگی۔ کچھ عرصہ کے بعد میں مولانا کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور دُعا کے لئے فہمائش کی۔ اور ساتھ ہی یہ بھی کہا۔ کہ اس کے بغیر میری زندگی محال ہے۔ آپ نے فرمایا۔ کہ وہ آ رہی ہے اور مسلمان بھی ہو گئی ہے۔ چنانچہ اسی دن اس کا پیغام آیا۔ کہ مجھے آکر لے جاؤ۔ میں مسلمان ہو جاؤں گی۔

۶۔ محمد عمر ولد کرم الٰہی کا بیان ہے۔ کہ مولانا نماز صبح سے فارغ ہو کر گھر کو جا رہے تھے۔ میں بھی ساتھ تھا کہ ایک ہندو عورت "واہگرو واہگرو" پڑھتی ہوئی جا رہی تھی آپ نے کہا کہ واہگرو نہیں بلکہ "وحدہٗ" کہو صحیح یہی ہے۔ وہ عورت "وحدہٗ وحدہٗ" کہنے لگی۔ اور یہ جملہ اس کی زبان پر ایسا جاری ہُوا کہ ہزار کوشش بھی بدل نہ سکا اور بالآخر وہ مسلمان ہو گئی۔

۷۔ ایک بار آپ گجرات کی طرف جا رہے تھے۔ کہ راستہ میں ایک سکھ ملا۔ اس نے پوچھا کہ حضرت موضع ڈنگا کا راستہ کونسا ہے (ڈنگا ضلع گجرات میں ایک مشہور مقام ہے) آپ نے فرمایا کہ بھائی مجھے ڈنگا راستہ تو معلوم نہیں۔ البتہ سیدھا راستہ یاد ہے (ڈنگا پنجابی میں ٹیڑھے کو کہتے ہیں) اس نے ہنس کر کہا: اچھا سیدھا راستہ بتا دیجئے۔ آپ نے کہا پڑھو۔ لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ۔ آپ کا یہ کہنا تھا۔ کہ وہ کلمہ پڑھنے لگ گیا۔ اور وہیں مسلمان ہو گیا۔

۸۔ باوا کاہن داس گورداسپوری ایک بار قلعہ میہاں سنگھ آیا۔ ہندوؤں نے مِل کر عرض کیا۔ باوا جی یہاں ایک مولوی صاحب ہیں۔ جن کے وعظ سے کئی ہندو مسلمان ہو رہے ہیں۔ آپ بھی بہت بڑے دودان ہیں۔ ذرا ان کا مقابلہ تو کیجئے۔ تاکہ ہندو مسلمان ہونے سے بچ جائیں۔ باوا جی نے کہا۔ بہت اچھا۔ میں اسلام پر ایسے اعتراض کر دوں گا۔ کہ وہ کچھ جواب نہ دے سکیں گے۔ چنانچہ باوا جی بڑے طمطراق کے ساتھ مولانا کے پاس پہنچے اور جاتے ہی کہا کہ اسلام کیا ہے؟ جسے آپ لئے پھرتے ہیں۔ مولانا نے فرمایا۔ کہ آؤ میں بتاؤں اسلام کیا ہے؟ اول کلمہ پڑھنا لاالٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ ابھی آپ نے کلمہ پڑھ کر سنایا ہی تھا اور آگے کچھ کہنا چاہتے تھے۔ کہ باوا جی نے خود بخود کلمہ پڑھنا شروع کر دیا۔ اور وہیں مسلمان ہو گئے۔

۹۔ قلعہ میہاں سنگھ میں ایک بڈھا نامی کشمیری تھا جو بہت عیالدار تھا۔ مگر مفلس اور غریب تھا۔ اس نے حاضر ہو کر اپنی ناداری کی شکایت کی اور دعا کے لئے التجا کی۔ آپ نے فرمایا۔ میاں بڈھا۔ بعد نماز صبح ایک بار سورۂ یٰسین پڑھ لیا کرو۔ انشاء اللہ کسی نہ کسی صورت تمہیں ایک

روپیہ روزانہ ملنے لگا۔کبھی کسی بہانہ ملتا۔کبھی کسی بہانہ۔ مگر ایک روپیہ روز ضرور مل جاتا۔اس نے دل میں خیال کیا۔کہ اگر دو بار سورہ یٰسین پڑھوں تو شاید دو روپیہ ملا کریں۔چنانچہ اس نے دو بار روزانہ پڑھنی شروع کی۔تو سچ مچ دو روپیہ ملنے لگے۔پھر اس نے تین بار شروع کردی۔تو تین روپیہ ہوگئے۔پھر چار بار پڑھی۔تو چار روپیہ ملے۔پھر وہ پانچ بار پڑھنے لگے۔تو پانچ روپیہ ملنے شروع ہوگئے اسی اثناء میں ایک دن مولوی صاحب آگئے۔ فرمایا کہ میاں بڈھا اب تم بہت لالچی ہوگئے ہو۔اب سورہ یٰسین سے تمہیں کچھ نہیں مل سکتا۔ بڈھا کہتا ہے کہ اس کے بعد میں ہزار بار بھی یٰسین پڑھتا رہا۔مگر پھر ایک روپیہ بھی نہ ملا۔

۱۰۔ ایک بار مولوی صاحب نے موضع فیروز والا سے ایندھن کے لئے درخت لیا جو بہت بڑا تھا۔اسے کانٹ چھانٹ کر آپ نے ایک گڈے پر لدوا لیا۔تاکہ اپنے گاؤں لے آئیں۔ راستہ میں اندھیرا ہوگیا۔اور گڈا الٹ گیا۔میاں بوٹا جو گاڑیبان تھا۔کہنے لگا کہ حضرت اب گھر پہنچنے کی کوئی صورت نہیں۔قریب کوئی آبادی نہیں کہ لوگوں کو بلایا جاسکے اور گڈا سیدھا کیا جاسکے۔اب رات یہیں گذرے گی۔اور کل کام ہوسکے گا۔مولوی صاحب نے فرمایا کہ میاں بوٹا آؤ تم اور ہم مل کر کوشش کریں۔اور گڈھا سیدھا کریں۔بوٹا بولا۔حضور یہ تو چالیس پچاس آدمیوں کا کام ہے — بھلا دو آدمی کیونکر سیدھا کرسکتے ہیں۔آپ نے ہنس کر فرمایا کہ مایوس نہ ہو۔کوشش کرو۔شاید اللہ سیدھا کردے۔چنانچہ بوٹا کہتا ہے کہ میں نے تو یونہی مذاق کے طور پر ہاتھ لگا رکھا اور مولوی صاحب نے تھوڑا سا زور لگایا اور گڈا سیدھا ہوگیا اور ہم جلدی ہی گھر پہنچ گئے۔مولوی صاحب نے کہا میاں بوٹا دیکھو یہ واقعہ کسی سے بیان نہ کرنا۔ایسا نہ ہو کہ لوگ اسے ولایت سمجھ لیں۔

نوٹ:۔ یہ چند کراماتیں مشتے نمونہ درج کردی گئی ہیں۔ورنہ آپ کی بہت سی کرامات زبان زد خاص و عام ہیں۔اور آپ کی سوانحعمری میں درج ہیں جو چھپ چکی ہے

کرامات قاضی محمد سلیمان صاحب منصورپوری [1]

۱۔ عنایت حسین پٹیالوی آپ کے بہت دوست تھے۔انہوں نے اپنی بیٹی کی شادی شیخ فضل حق

---

[1] قاضی صاحب موصوف ۲۷ شعبان ۱۲۸۲ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۸۶۶ء سوموار بمقام منصورپور المعروف چھینٹانوالہ ریاست پٹیالہ پیدا ہوئے۔آپ کے والد بزرگوار قاضی احمد شاہ صاحب بن

(باقی صفحہ ۱۹ پر دیکھیے)

سکندر سام کے بیٹے سے کردی۔ وہ لڑکا نہایت خراب نکلا۔ شراب پیتا، جُوا کھیلتا۔ بدکاروں کے ساتھ رہتا۔ اور گھر والوں کو سخت تنگ کرتا۔ غرضیکہ پرلے درجے کا بے دین نکلا۔ عنایت حسین

مولانا باقی باللہ نے اسی سال لیلۃ القدر کی رات یہ دعا مانگی تھی کہ الٰہی بیٹا دے تو ایسا دے۔ جو عالم باعمل متقی۔ پارسا اور دین و دنیا میں ذی عزت ہو۔ آپ کی والدہ ماجدہ نے آپ کے پیدا ہوتے ہی یہ عہد کر لیا۔ کہ آپ کو کبھی بلا وضو دودھ نہ پلاؤں گی۔ چنانچہ ایسا ہی کیا۔ آپ نے ابتدائی تعلیم اپنے والد ماجد سے پائی۔ اور توحید و سنت گھٹی میں رچ گئی۔ عربی کتابیں مولوی سید محمد حسین صاحب رامپوری سے پڑھیں۔ حدیث کی سند دادا صاحب سے لے لی۔ اور انہی سے روحانی فیض پایا۔ ۱۹۰۰ء میں منشی فاضل کا امتحان دیا اور پنجاب بھر میں اوّل رہے۔ سنہری تمغہ انعام پایا۔ پھر ملازمت کا سلسلہ شروع ہُوا۔ تو ترقی کرتے کرتے پٹیالہ سٹیٹ میں سیشن جج ہو گئے۔ ۲۴ مارچ ۱۹۲۴ء کو پنشن یاب ہُوئے۔ اثنائے ملازمت میں بھی درس و تدریس کا کام جاری رکھا۔ روزانہ صبح اپنی مسجد میں قرآن کریم کا درس دیتے اور جمعہ بھی پڑھایا کرتے تھے۔ تقریر کے علاوہ تحریر میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے۔ غضب کے ذہین تھے ایک بار جس کتاب کو دیکھ لیتے دوبارہ دیکھنے کی ضرورت محسوس نہ کرتے تھے۔ بائیبل۔ تورات اور اناجیل پر آپ کو بڑا عبور تھا۔ تاریخ میں تو امام وقت تھے۔ شاعر بھی تھے۔ کئی کتابیں لکھیں جن میں سے اکثر مطبوع اور بعض غیر مطبوعہ ہیں۔ آپ کی تصنیف رحمۃ للعالمین نے اردو دنیا میں وہ نام پیدا کیا کہ اور کسی کتاب کو یہ شرف نصیب نہ ہوا۔ تبلیغ اسلام میں بھی آپ نے بڑے بڑے کام کئے۔ آپ دینی خدمات کو مشہور کرنے کے عادی نہ تھے۔ جو کام کرتے خاموشی سے کرتے چنانچہ کئی بڑے بڑے عیسائی اور ہندو محض آپ کی تبلیغ سے مسلمان ہُوئے۔ غازی محمود دھرمپال جو منہ پھٹ آریہ تھے۔ محض آپ کی تبلیغ سے دوبارہ اسلام میں آ گئے۔ ڈاکٹر عبدالحکیم صاحب پٹیالوی جو مرزا قادیان کے مخلص مرید تھے۔ اور بیس ہزار روپیہ تبلیغ مرزائیت پر صرف کر چکے تھے۔ محض آپ کی بدولت مرزائیت سے تائب ہُوئے۔ عدالتی معاملات میں اپنی نظیر آپ ہی تھے۔ مہاراج جیسے آپ پر خوش تھے۔ غالباً ریاست بھر میں کسی افسر پر ایسے خوش نہ ہونگے۔ ذاتی اور خاندانی معاملات میں بھی حکم بنا لیا جاتا۔ مگر باایں اثر و رسوخ آپ نے اپنے ذاتی مفاد

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۰ پر دیکھئے)

کو سخت صدمہ پہنچا۔ "نہ جائے ماندن نہ پائے رفتن" قاضی صاحب سے التجا کی۔ آپ نے فرمایا اُسے میرے پاس لے آؤ۔ وہ آیا تو آپ نے اس پر توجہ کی بیہوش ہوگیا جب ہوش آیا۔ تو استغفار پڑھنے لگا اور تمام گناہوں سے توبہ کرلی۔ بس ایک ہی صحبت میں اس کی حالت بدل گئی۔ اور وہ نہایت نیک۔ صالح۔ دیندار بن گیا۔

۲۔ شاہ جی نجم الدین کا بیان ہے۔ کہ مجھے تیتر بازی کا بڑا شوق تھا۔ چنانچہ شب و روز میرا یہی مشغلہ رہتا۔ سب مجھے سمجھاتے مگر کسی کا کہا موثر نہ ہوتا۔ ایک دن میرے والد مجھے قاضی جی کے پاس لے گئے۔ آپ نے تھوڑی سی توجہ دی اور مجھے تیتر بازی سے ایسی نفرت ہوگئی کہ میں نے آتے ہی سب تیتر چھوڑ دیئے اور پنجرے توڑ دیئے۔

کا کبھی خیال تک نہ کیا۔ نہ انعام لیا۔ نہ جاگیر مانگی۔ نہ خطاب کی خواہش کی۔ اور بجز اپنی تنخواہ کے ایک حبہ تک قبول نہ کیا۔

تنخواہ جو ذاتی ضروریات سے بچتی بیواؤں کی پرورش۔ یتیموں کی خبر گیری۔ اور ناداروں کی تعلیم و ترقی پر خرچ کردی جاتی۔ آپ قومی اور اسلامی کاموں میں سب سے بڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ اپریل ۱۹۳۰ء میں دوسرے حج پر گئے اور اپنی دعا کے مطابق گناہوں سے پاک ہو کر اللہ کی راہ میں شہید ہوگئے۔ (حدیث شریف میں آتا ہے کہ جو پیٹ کی بیماری اسہال وغیرہ سے انتقال کرے وہ شہادت کا درجہ پاتا ہے) چنانچہ آپ نے بھی اسی مرض سے یکم محرم الحرام ۱۳۴۹ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۳۰ء بروز جمعہ ۸ بجے شہادت پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

خاکسار عبدالمجید خادم پر آپ کی خاص نظر عنایت تھی۔ اور میرے دادا صاحب سے ایک خاص روحانی تعلق تھا۔ آپ کی یادگار آپ کے صاحبزادہ قاضی عبدالعزیز صاحب بی اے انسپکٹر آف سکولز ہیں۔ جو صاحب ذوق اور صاحب علم ہیں۔ ہم نے آپ کی جامع سیرت مرتب کر رکھی ہے۔ جو بعض موانعات کی وجہ سے شائع نہیں ہوسکی۔ شائقین دفتر مسلمان لاہور کے پتہ پر خط لکھ دیں۔ تاکہ شائع ہونے پر انہیں بھیجدی جائے۔ آپ کی جملہ تصانیف جو مطبوعہ ہیں۔ ان کی طباعت کا اہتمام بھی ہو رہا ہے۔ آپ دفتر سے خط و کتابت کرکے پتہ لے سکتے ہیں۔ اور بغرض محصول بھیج کر ان کی فہرست بھی طلب کرسکتے ہیں۔

۳۔ ولایت احمد نامی قصاب کی ہمشیرہ کو جن تھا جو کسی سے نہ نکلتا تھا۔ بڑے بڑے عامل آئے مگر جن کسی سے نہ نکلا۔ ولایت احمد قاضی جی کی خدمت میں حاضر ہُوا۔ اور عرض کیا۔ کہ آپ تشریف لے چلیں، شاید آپ کا کہا مان جائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں جنات کا عامل نہیں ہوں مگر خیر تم جاؤ۔ اور اُسے میرا سلام کہہ کر یہ پیغام دو کہ وہ کہتے ہیں اب تم چلے جاؤ۔ چنانچہ ولایت احمد نے ایسا ہی کیا۔ کہا قاضی محمد سلیمان صاحب تمہیں سلام علیکم کہتے ہیں، اور فرماتے ہیں، کہ اب تم چلے جاؤ۔ جن نے کہا قسم کھاؤ، انہوں نے یہ کہا ہے۔ اُس نے کہا، بخدا انہوں نے یہی کہا ہے۔ جن بولا، بہت اچھا لیجئے، اب جاتا ہوں۔ چنانچہ اُس کے بعد اُس کی ہمشیرہ کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے آرام ہو گیا۔

۴۔ پٹیالہ میں ایک پیر جان رنڈی تھی۔ جو عرصہ دراز سے بدکاری کا پیشہ کرتی تھی۔ ایک بار آپ کی خدمت میں تعویذ لینے کے لئے حاضر ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا۔ کہ اس پیشہ سے توبہ کر۔ اور کہیں نکاح کر کے بیٹھ جا۔ آپ کا کہنا تھا۔ کہ وہ اُسی وقت تائب ہو گئی۔ اور پھر تیس سال تک نہایت زاہدانہ زندگی بسر کی۔

۵۔ شاہ جی نجم الدین سکنہ بستی کا بیان ہے کہ ایک بار میں قاضی صاحب کے ساتھ جا رہا تھا لاہور گیٹ کے قریب ایک قبر آئی، جس پر آپ ٹھہر گئے۔ اور کہا دیکھو شاہ جی اس صالح مرد کی قبر سے کس قدر خوشبو آرہی ہے، شاہ جی کا بیان ہے۔ کہ میں جو آگے بڑھا۔ تو سچ مچ مجھے نہایت خوشگوار خوشبو آئی۔ اس کے بعد میں بارہا اکیلا وہاں سے گذرا مگر پھر کبھی ویسی خوشبو نہیں آئی۔ (یہ محض ان کی صحبت کا اثر تھا) شاہ جی کہتے ہیں۔ کہ میں نے اس مرد صالح کا نام پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا کہ اس کا نام زرداد خاں پٹھان بتایا گیا ہے۔ جو عرصہ دراز سے یہاں مدفون تھے۔

۶۔ قاضی صاحب جب کبھی لاہور تشریف لاتے تو مال روڈ پر حیات برادرس کے ہاں قیام فرمایا کرتے تھے۔ میاں فضل کریم صاحب بن حاجی حیات محمد صاحب مالک فرم کا بیان ہے۔ کہ جس مکان پر آپ ٹھہرا کرتے تھے، اس کے قریب ہی ایک خانقاہ تھی۔ جو اُجڑی ہوئی تھی۔ ایک دن آپ نے مجھ سے پوچھا کہ کیا یہاں کوئی قبر ہے۔ میں نے عرض کیا جی ہاں! آپ نے کہا آج رات ہمیں وہ بزرگ ملے، اور کہا کہ قاضی جی آپ اتنی بار یہاں آئے مگر ہمیں ایک بار بھی نہیں

ملے۔ پھر فرمایا۔ وہ بہت نیک اور صالح آدمی ہیں۔ فلاں جگہ کے رہنے والے تھے۔ ادھر سے گذر رہے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ میاں فضل کریم کہتے ہیں کہ اس کے بعد جب میں نے اس کی تحقیق کی تو وہ باتیں ویسی ہی ثابت ہوئیں جو قاضی صاحب نے بیان فرمائی تھیں۔ یہاں تک کہ ان کا نام اور پتہ بھی قاضی جی نے مجھے بتا دیا تھا۔

۷۔ صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ ۱۹۱۰ء میں جب حضرت ضیاء معصوم صاحب مرشد امیر حبیب اللہ خاں شاہ کابل پٹیالہ تشریف لائے تو انہوں نے سرہند جانے کے لئے قاضی جی کو اپنے ساتھ لے لیا۔ حضرت ضیاء معصوم جب روضہ حضرت مجدد الف ثانی پر مراقبہ کے لئے بیٹھے۔ تو قاضی جی نے دل میں کہا کہ شاید ان بزرگوں نے آپس میں کوئی راز کی بات کہنی ہو۔ ان سے الگ ہو جانا چاہئے۔ ابھی آپ اپنے جی میں یہ خیال لیکر اُٹھے ہی تھے۔ کہ حضرت مجدد الف ثانی نے آپ کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ اور فرمایا۔ کہ سلیمان بیٹھے رہو۔ ہم کوئی بات تجھ سے راز میں نہیں رکھنا چاہتے۔ صوفی صاحب کا بیان ہے کہ قاضی صاحب نے بعض دوستوں سے ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ یہ واقعہ مراقبہ یا مکاشفہ کا نہیں۔ بلکہ بیداری کا ہے۔

۸۔ حافظ محمد حسن صاحب لاہوری کا بیان ہے کہ میں ایک بار قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اور کرامت کی اہمیت کے متعلق کچھ پوچھا۔ آپ نے اس مسئلہ کے مالۂ و ماعلیہ پر روشنی ڈالتے ہوئے فرمایا۔ کہ صحیح بات تو یہ ہے کہ کرامت اہل اللہ کے نزدیک کچھ وقعت نہیں رکھتی۔ اصل چیز تو تقویٰ اور مشیت الٰہی ہے۔ پھر فرمایا کہ ایک دفعہ عالم بیداری میں مجھ پر انوار آسمان کی بارش ہوئی۔ اور میں ان آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ کہ جرائم نکلی میرے بدن پر گر رہے ہیں۔ اور ایک طرف سے داخل ہوتے ہیں۔ اور دوسری جانب نکل جاتے ہیں۔ یہ حالت دیکھ کر میں معاً سجدہ سے میں گر پڑا اور دعا مانگی۔ کہ الٰہی میں ایسی چیزوں کا طالب نہیں ہوں۔ مجھے تو تیری محبت مطلوب ہے۔

پھر فرمایا حافظ صاحب میں نے یہ بات آج ہی آپ سے کہی ہے کسی سے ذکر نہ کرنا۔

۹۔ پٹیالہ میں ایک گینڈے شاہ نامی مستانہ فقیر تھا۔ جو ہر وقت شراب میں مخمور رہتا تھا۔ لوگوں کا خیال تھا۔ کہ اسے شراب پلانے سے حاجات بر آتی ہیں۔ چنانچہ جو شخص آتا۔

شراب ہی لیکر اس کے پاس آتا۔ ایک بار قاضی جی کا ادھر سے گذر ہوا۔ وہ احترام کے طور پر اُٹھ بیٹھا۔ آپ نے فرمایا، سائیں جی شراب حرام ہے۔ اس سے تائب ہو جائیے۔ اب آپ کے آخری دن ہیں۔ گینڈے شاہ نے اسی وقت توبہ کر لی۔ اور تمام شراب پھینک دی۔ پھر جو کوئی شراب لاتا، پھینک دیتا۔ چنانچہ اس واقعہ سے تین دن بعد وہ انتقال کر گیا۔ اور شیرانوالہ گیٹ کے پاس مدفون ہوا۔

۱۰۔ قاضی عبدالرحمٰن صاحب پٹیالوی کا بیان کہ نابھہ میں ایک مستانہ فقیر تھا۔ جو بالکل ننگ دھڑنگ رہتا تھا۔ اور مجذوب تھا۔ کسی نے قاضی صاحب سے اس کا ذکر کیا۔ آپ نے اُسے ملنے کا ارادہ کیا۔ اور فرمایا، کہ کل چلیں گے۔ اور اُس کے لئے کچھ کھانا بھی لے جائیں گے۔ چنانچہ جب آپ گئے۔ اور ابھی اسٹیشن سے اترے ہی تھے۔ کہ اس نے کہنا شروع کیا۔ کپڑے لاؤ۔ کپڑے لاؤ ایک بزرگ آرہا ہے۔ اور مجھے اس سے حیا آتی ہے۔ چنانچہ قاضی جی کے پہنچنے سے پہلے ہی اس نے کپڑا اوڑھ لیا۔ جب آپ پہنچے تو نہایت تکریم سے پیش آیا۔ اور دیر تک آپ سے سلوک اور علم کی باتیں کرتا رہا۔ کھانا بھی کھایا۔ اور کہا، جبرآج کھانے کا مزہ آیا ہے۔ عمر بھر میں کبھی نہیں آیا۔ پھر جب آپ تشریف لے گئے۔ تو اس نے کپڑے اتار پھینکے۔ اور اسی طرح دیوانہ ہو گیا۔

۱۱۔ مولوی حسین احمد تاجر کتب پٹیالہ کا بیان ہے، کہ مجھے درد کمر کی شدید شکایت رہتی تھی۔ اور اسی وجہ سے میں نماز با جماعت ادا کرنے سے معذور تھا۔ کیونکہ اکثر اہلحدیث صبح کی نماز میں لمبی قرأت کرتے ہیں۔ اور میں کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ایک دن میں قاضی جی کی مسجد میں نماز صبح کے لئے چلا گیا۔ قاضی صاحب سورۂ آل عمران پڑھ رہے تھے۔ دو رکوع پڑھے ہوں گے۔ کہ مجھے درد شروع ہو گیا۔ اور میں نے ارادہ کیا۔ کہ اب نماز چھوڑ دوں۔ معاً قاضی جی نے اللہ اکبر کہا اور رکوع چلے گئے۔ پھر دوسری رکعت میں بھی مختصر قیام کیا۔ اور سلام پھیر دیا۔ لوگ حیران ہوئے کہ آج اتنی مختصر قرأت کیوں کی۔ کسی نے پوچھا۔ تو آپ نے فرمایا، کہ بھئی حضور کا حکم ہے، مقتدیوں کا لحاظ رکھا جائے۔ مولوی حسین احمد کہتے ہیں، کہ تین چار روز کے بعد پھر ایک دفعہ نماز میں شامل ہوا۔ تو ایسا ہی اتفاق ہوا۔ جب مجھے درد شروع ہوا

اور میں جی میں یہ سوچنے لگا۔ کہ نماز چھوڑدوں یا نہ ؟ تو قاضی جی نے قرأت ختم کردی۔ اور اختصار سے کام لے لیا۔ قریباً قریباً آٹھ مرتبہ میں نے آزمایا۔ حالانکہ میں جماعت کے ساتھ بعد میں شریک ہوتا تھا۔ اور قاضی جی کو میری آمد کا کوئی علم نہ ہوتا تھا۔ اس سے میں نے یقین کر لیا۔ کہ آپ صاحبِ کشف ہیں

۱۲۔ ایک بار آپ یو۔ پی کے سفر سے واپس آرہے تھے۔ کہ الٰہ آباد سٹیشن پر کچھ وقت کے لئے ٹھہرنا پڑا۔ آپ ویٹنگ روم میں تشریف لے گئے۔ وہاں کوئی پیر صاحب بیٹھے تھے۔ جو اپنے مریدوں سے سجدہ کرا رہے تھے۔ قاضی صاحب نے متانت سے انہیں سمجھایا مگر وہ نہ سمجھے اور اُلٹے کہنے لگے۔ کہ اچھا کچھ دیکھو یا دکھاؤ۔ قاضی جی نے کہا۔ کہ تمہیں دکھاؤ۔ کیا دکھانا چاہتے ہو۔ اس نے باہر سے بھی اپنے مرید بلائے۔ اور سب کو کہا کہ مجھے اچھی طرح سجدہ کرو۔ قاضی جی نے کہا۔ بس یہی دکھانا تھا۔ اُس نے کہا ہاں۔ قاضی صاحب نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے بس ہاتھوں کا اٹھانا تھا کہ پیر صاحب زار و زار رونے لگے اور کہنے لگے کہ بس کیجئے میں توبہ کرتا ہوں۔ آئندہ کبھی سجدہ نہ کراؤں گا۔ چنانچہ اسی وقت آپ نے اپنے مریدوں کو یہ ہدایت دی کہ خبردار آئندہ کبھی مجھے سجدہ نہ کرنا۔ سجدہ کے لائق صرف اللہ کی ذات ہے۔ اور وہی حاجت روا۔ اور مشکل کشا ہے۔ (راوی صوفی حبیب الرحمٰن صاحب کا بیان ہے کہ افسوس مجھے اُن پیر صاحب کا نام جو قاضی صاحب بتایا تھا۔ یاد نہیں رہا)

۱۳۔ پروفیسر محمد ظہور الدین احمد ایم۔ اے۔ ایل۔ ایل۔ بی۔ بی۔ ای۔ ایس بمبئی جو قاضی صاحب مرحوم کے ارشد تلامذہ میں سے ہیں۔ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار مجھے بدھ ازم کے مطالعہ کا شوق ہوا۔ چنانچہ میں نے ان کی کتابوں کا خوب مطالعہ کیا۔ جن سے میں اتنا متاثر ہوا۔ کہ جی چاہا۔ بدھ مذہب اختیار کرلوں۔ اسی اثناء میں قاضی صاحب کے پاس پہنچا۔ تو آپ نے خود بخود ہی بدھ مذہب کی حقیقت بیان کرنی شروع کردی۔ اور علمی اور عقلی رنگ میں اس کے اتنے عیوب بیان کئے کہ میرے دل میں اس سے نفرت پیدا ہو گئی۔ اور وہ تمام شکوک و شبہات رفع ہو گئے۔ جو پیدا ہو گئے تھے۔

۱۴۔ پروفیسر عبدالرحمٰن صاحب بی۔ اے علیگ جو قاضی صاحب کے شاگرد رشید اور خاص

عزیز سے ہیں۔ بیان فرماتے ہیں۔ کہ بارہا ہمارے ساتھ بھی ایسا ہی ہوا ہے۔ جب کسی مسئلہ کے متعلق ہمارے دل میں شک وشبہ پیدا ہوتا اور ہم اعتراض کرنا چاہتے تو آپ پہلے ہی سے اس کا جواب دے دیتے جس سے ہماری تسلی ہو جاتی۔ چنانچہ اس ضمن میں پروفیسر صاحب نے کئی واقعات بھی بیان کئے ہیں (جو آپ کی سیرت میں درج ہوں گے)

۱۵۔ ۷ جنوری ۱۹۲۱ء کو جب آپ نے حج پر جانے کے لئے رخصت کی درخواست دی۔ تو وہ ۱۵ اپریل تک منظور نہ ہوئی۔ سب کا خیال یہی تھا۔ کہ مہاراج آپ کو رخصت نہیں دیں گے۔ کیونکہ امسال انہیں آپ کی خاص طور پر یہاں ضرورت ہے۔ مگر ۲۵ اپریل کو آپ نے اعلان کر دیا۔ کہ جس جس نے ساتھ چلنا ہو۔ تیار ہو جائے۔ احباب نے پوچھا کیا درخواست منظور ہو گئی۔ اور رخصت مل گئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اس کا تو ابھی کوئی پتہ نہیں۔ مگر ہاں یہ پتہ ضرور چل گیا ہے۔ کہ حج کو ضرور جاؤں گا۔ چنانچہ ۴۵ آدمی آپ کے ساتھ تیار ہوئے۔ جب تیاری ہو چکی۔ اور روانگی کا دن مقرر ہو گیا تو آپ کی رخصت بھی منظور ہو کر آ گئی۔

۱۶۔ آپ مسجد سکلی گراں میں ۳۰ سال تک وعظ کہتے رہے۔ جب ۱۹۳۰ء میں حج کو روانہ ہونے لگے تو نماز جمعہ کے بعد فرمایا۔ کہ میرا یہ آخری جمعہ ہے۔ اگر اس اثناء میں کسی کو تکلیف پہنچی ہو۔ تو کہدے میں اس سے معافی مانگ لوں۔ چنانچہ کئی لوگ تاڑ گئے۔ کہ معلوم ہوتا ہے۔ اب آپ واپس نہیں آئیں گے۔ آپ کو کشف کے طور پر اپنی موت کا علم ہو چکا ہے (چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ واپسی پر آپ جہاز میں انتقال فرما گئے) اور کیوں نہ ہوتا جب کہ آپ کی دلی دعا یہی ہوتی تھی۔

اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ شَھَادَۃً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ۔

۱۷۔ جب آپ حج کو جا رہے تھے۔ تو فرمایا کہ عبدالعزیز کے ہاں لڑکا پیدا ہوگا (یعنی اپنا پوتا) اس کا نام معزالدین حسن رکھنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا

۱۸۔ جب آپ حج پر تشریف لے گئے اور مدینہ منورہ پہنچے۔ تو مسجد نبوی کے پیش امام آپ کی بہت مدارات کرنے لگے۔ ایک دن آپ جو اُٹھے تو امام صاحب جوتیاں سیدھی کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا۔ یہ کیا؟ تو امام صاحب نے کہا۔ کہ مجھے خواب میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ کہ محمد سلیمان ہمارا مہمان ہے۔ اس کی مدارات میں فرق نہ کرنا

۱۹۔ خلیفہ ہدایت اللہ صاحب مینجر رحمۃ للعالمین کا بیان ہے کہ میرے پاس بہار، بنگال، بہاولپور وغیرہ سے کئی ایسے خطوط آئے ہیں، جن میں یہ مرقوم ہے۔ کہ رحمۃ للعالمین بھیج دیجئے کیونکہ ہمیں خواب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ اگر مجھ سے محبت چاہتے ہو تو رحمۃ للعالمین جو قاضی محمد سلیمان نے لکھی ہے۔ پڑھا کرو

۲۰۔ مرزا محمد حسین صاحب سکنہ راہوں کا بیان ہے۔ کہ ۱۸۱۱ء میں قاضی صاحب جب مرزا قادیانی کی تردید میں رسالہ غایت المرام[1] شائع کیا۔ تو کسی نے آپ سے پوچھا۔ کہ آپ نے یہ رسالہ کیونکر لکھا۔ جواباً فرمایا۔ کہ ایک روز نماز جمعہ کے بعد مجھے القاء ہوا۔ کہ مرزا جی کے متعلق ایک کتاب لکھوں چنانچہ اس کا مضمون بھی مجھے بتا دیا گیا۔ اور یہ بھی کہا گیا۔ کہ اس کا جواب کوئی نہیں دے سکے گا۔ اس کے بعد آپ نے یہ بھی فرمایا۔ کہ لو میں اب پھر تحدّی سے کہتا ہوں۔ کہ مرزا قادیانی حج نہیں کر سکے گا۔ اور یہی اس کی بطالت کی دلیل ہے۔ چنانچہ غایت المرام میں بھی یہ اعلان ہوا اور اس کے بعد مرزا قادیانی کئی سال تک زندہ رہا۔ مگر نہ اس رسالہ کا جواب لکھ سکا۔ نہ حج کو جا سکا۔

۲۱۔ عبدالکریم آپ کے ایک دوست تھے۔ جو نرمانہ میں رہتے تھے۔ وہ بیمار ہو گئے اور بہت سخت بیمار ہوئے۔ آپ عیادت کے لئے تشریف لے گئے۔ فرمایا۔ کہ دواؤں پر روپیہ ضائع نہ کرو، سب دوائیں چھوڑ دو۔ اور صرف پلاؤ کھایا کرو۔ چنانچہ اس نے تمام حکیموں اور ڈاکٹروں کا علاج چھوڑ دیا۔ انہوں نے کہا۔ کہ پلاؤ تمہارے لئے مفید نہیں۔ مگر اس نے کہا۔ کہ کچھ ہو۔ قاضی صاحب کا ارشاد بلا وجہ نہیں۔ چنانچہ تھوڑے ہی دنوں میں وہ روبصحت ہونے لگا۔ اور پھر اچھا بھلا ہو گیا۔

۲۲۔ راجپوتوں کے ہاں نکاح بیوگان کو نہایت معیوب سمجھا جاتا تھا۔ اور وہ اُسے اپنی عزّت اور آن کے خلاف سمجھتے تھے۔ اور کسی صورت بھی اپنی بیوہ بیٹی یا بہو کے نکاح ثانی پر آمادہ نہ ہوتے تھے۔ آپ ایک بار ان کی بستی بڑ بر ریاست نابھہ میں تشریف لے گئے اور منشی محمد چراغ خاں سررشتہ دار

---

[1] یہ رسالہ جب مولانا عبید اللہ صاحب مصنّف تحفۃ الہند نے دیکھا۔ تو خود بخود فرمایا۔ کہ یہ رسالہ قاضی سلیمان نے نہیں لکھا۔ بلکہ اللہ نے لکھوایا ہے۔ اس لئے ان سے کہہ دینا کہ اس پر نازاں نہ ہوں۔ اس رسالہ کے مطالعہ سے کئی لوگ مرزائیت سے تائب ہو چکے ہیں۔ اور اس کا دوسرا حصّہ تائید الاسلام بھی چھپ چکا ہے۔ جو نہایت مفید اور قابل دید ہے۔

وغیرہ چند راجپوتوں کو جمع کر کے نکاح بیوگان کی تلقین کرنے لگے۔ ابھی آپ نے چند ہی جملے ارشاد فرمائے تھے کہ سب نے اپنی رضامندی اور آمادگی کا اعلان کر دیا۔ اور اُسی دن ہی ان کے ہاں سے یہ رواج مٹ گیا۔ حالانکہ پشتہا پشت سے برابر چلا آرہا تھا۔

۲۳۔ سید عبدالرزاق صاحب کرمانی کا بیان ہے کہ ایک دفعہ ہولی کا دربار تھا۔ میں قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ دربار میں جانے کے لئے تیار تھے۔

(ریاست کے درباروں میں تمام افسروں کی حاضری حکماً ہوتی ہے۔ اس لئے قاضی جی کا بھی جانا ضروری تھا) آپ سر سے پاؤں تک سفید کپڑے پہنے ہوئے تھے۔ میں حیران تھا۔ کہ آج قاضی جی کے کپڑے کیونکر بچیں گے۔ کیونکہ ہولی کے موقعہ پر دربار میں اہلکار اور امراء آپس میں خوب رنگ رلیاں کرتے ہیں۔ اور راستہ میں بھی ہندو لوگ کوٹھوں پر سے راہ چلتوں پر رنگین پانی پھینکتے رہتے ہیں۔ اور اس قدر بیہودگی کا مظاہرہ ہوتا ہے۔ کہ کوئی شریف آدمی گھر سے باہر نہیں نکل سکتا۔ مگر جب قاضی صاحب دربار سے واپس آئے۔ تو آپ کے کپڑوں پر رنگ کا چھینٹا تک نہ پڑا تھا۔ میں نے سوال کیا۔ کیا جناب آج دربار میں نہیں گئے۔ آپ نے فرمایا گیا تھا۔ اور کیونکر نہ جاتا۔ جب وہاں حاضری دینی پڑتی ہے۔ میں نے پوچھا۔ پھر کیا دربار میں ہولی نہیں کھیلی گئی۔ آپ نے فرمایا: کھیلی گئی اور خوب کھیلی گئی۔ میں نے کہا۔ پھر آپ پہ رنگ کا کوئی چھینٹا کیوں نہیں پڑا۔ آپ نے فرمایا، دیکھ لو۔ اللہ کی قدرت ہے۔ اُس نے بچا لیا۔ ورنہ وہاں تو وہ اُودھم مچا ہوا تھا۔ کہ بچنا محال تھا۔

کرامات مولانا عبداللہ صاحب غزنوی[1]

۱۔ آپ فرماتے تھے کہ قابل میں جب حکومت نے مجھے مواد عتاب سمجھا اور سو درّے مارنے کا حکم دیا تو سبھی کا یہ خیال تھا کہ اب میں نہیں بچ سکوں گا۔ چنانچہ تین آدمی یکے بعد دیگرے درّے لگاتے تھے۔ جب ایک تھک جاتا تو دوسرا آجاتا۔ دیکھنے والوں کو ترس آرہا تھا۔ مگر مارنے والے سنگدل، اپنی پوری قوت سے مارتے تھے۔ مگر مجھے یہ بھی پتہ نہ چلا۔ کہ مجھے مار رہے ہیں۔ یا کسی اور کو یعنی

---

[1] آپ کا اصل نام محمد اعظم بن محمد بن محمد شریف تھا۔ مگر آپ نے اپنا نام عبداللہ رکھا اور اسی نام سے مشہور ہو گئے۔ آپ قلعہ بہادر خیل میں پیدا ہوئے۔ اور موضع گیرو نواح غزنی میں ہے۔ جو آپ کا اصل گاؤں تھا۔ آپ کے دادا اور پردادا کامل ولی تھے۔ گویا ولایت آپ کو ورثہ میں ملی جب علم پڑھا۔ اور کتاب و سنت سے شناسائی ہوئی تو

(باقی حاشیہ صفحہ ۲۸ پر دیکھئے)

مجھے ذرہ بھر بھی تکلیف نہ ہوئی پھر آپ نے یہ حدیث پڑھی۔ مایجد الشھید من مس القتل الا کما یجد احدکم من مس القرصۃ یعنی شہید کو شہادت کے وقت اتنی درد بھی نہیں ہوتی جتنی تم میں سے کسی کو چیونٹی کے کاٹنے پر ہوتی ہے۔

۲۔ مولانا غلام رسول صاحب قلعوی کا بیان ہے کہ ایک بار کسی امیر نے آپ کے پاس کچھ میوے بطور تحفہ بھیجے تو ایکدم دور ہی سے بدبو آنے لگی۔ بظاہر چونکہ تحفہ کا رد کرنا جائز نہ تھا۔ اس لئے آپ نے واپس نہ کئے۔ اور گھر میں گڑھا کھود کر دفن کر دیئے۔ راوی کہتا ہے۔ کہ آپ کو حلال اور حرام مال میں فوراً تمیز ہو جاتی تھی۔ اور آپ حرام مال سے بچ جایا کرتے تھے۔

فوراً عامل بالحدیث ہو گئے۔ آمین اور رفع یدین کھلم کھلا کرنے لگے جس کی وجہ سے آپ کو بڑی بڑی تکلیفیں پہنچیں۔ قید میں کاٹیں۔ درّے کھائے۔ جلاوطن ہوئے۔ اور بالآخر ہجرت کرکے امرتسر آ گئے۔ اور ربیع الاوّل ۱۲۹۸ ہجری میں واصل بحق ہو کر یہیں مدفون ہوئے۔ آپ سے ہزارہا لوگوں نے روحانی فیض پایا۔ اور آپ کی اولاد سے ایسا علم کا چشمہ جاری ہوا جس کی نظیر اور کسی خاندان میں نہیں ملتی۔ آپ سے ہزارہا کرامتیں صادر ہوئیں۔ جو زبان زد خاص و عوام ہیں۔ چونکہ آپ کی اولیائی میں کسی کو بھی شک نہیں۔ اس لئے ہم نے ان کی زیادہ کرامات درج نہیں کیں۔ صرف بطور نمونہ ایک دو لکھ دی ہیں۔ آپ کے صاحبزادوں میں مولانا عبدالجبار صاحب بھی صاحب کشف و کرامات تھے۔ جن سے سینکڑوں محیّر عقول کرامتیں صادر ہوئیں۔ آپ مستجاب الدعوات بھی تھے۔ اور آپ کے شاگردوں میں سے بھی سینکڑوں ولی اللہ تھے۔ مولوی عبدالکریم صاحب فیروزپوری کا بیان ہے۔ کہ میں نے ایک بار امام صاحب سے پوچھا۔ کہ حضرت کیا آپ کو کبھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت بھی ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا۔ عبدالکریم کیا پوچھتے ہو۔ بخدا اگر کسی ہفتہ یہ نعمتِ عظمیٰ نصیب نہ ہو۔ تو میں بیقرار ہو جاتا ہوں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے۔ کہ مجھے ہفتہ میں ایک بار ضرور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت نصیب ہو جاتی ہے۔

۳۔ مولانا عبداللہ المعروف غلام نبی الربانی سوہدرئیؒ[1] کا بیان ہے۔ کہ ایک بار ایک شخص .....
...... نے حاضر ہو کر عرض کی۔ کہ حضور میں نے مجاہدین کو ایک چٹھی بھیجی تھی۔ جو راستہ میں پکڑی گئی
چونکہ میں سرکاری ملازم ہوں۔ اور چٹھی میرے افسروں کے پاس پہنچ گئی ہے۔ اس لئے آپ مجھ پر
مقدمہ چلے گا۔ اور نہ صرف ملازمت ہی سے برطرف کر دیا جاؤں گا۔ بلکہ سخت سزا بھی دی جائیگی۔
خدا کے لئے دعا کیجئے۔ اور مجھے اس مصیبت سے بچائیے۔ راوی کا بیان ہے۔ کہ میرے سامنے عبداللہ صاحب
نے مراقبہ کیا۔ اور کچھ عرصہ کے بعد سر اٹھایا۔ اور اپنی بغل سے وہ چٹھی نکال کر اس شخص کو دی۔ اور پوچھا کہ
کیا یہی ہے؟ اس نے کہا۔ ہاں حضور یہی ہے۔ جس کی بناء پر مقدمہ چل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ اسے جلا دو۔
اب مقدمہ نہیں چل سکے گا۔ چنانچہ جب مقدمہ پیش ہوا۔ اور وہ افسر میری چٹھی پیش نہ کر سکا۔ تو مجھے
بری کر دیا گیا۔

---

[1] صاحب ممدوح راقم الحروف عبدالمجید خادم کے جد امجد (دادا) ہیں۔ جو مئی ۱۹۳۰ء سے واصل بحق ہو چکے ہیں۔ سوہدرہ
میں آپ ہی نے توحید و سنت کا بیج بویا۔ اور ہزارہا لوگوں کو فیضیاب کیا۔ پیر میر حیدر صاحب وزیر آبادی اور عبداللہ صاحب
غزنوی سے روحانی فیض پایا۔ اور بہت جلد ترقی پائی۔ آپ سے بھی اکثر کشف و کرامات کا صدور ہوتا رہا۔ بوجہ اختصار
صرف ایک واقعہ لکھے دیتا ہوں جس سے ان کی کرامات کا اندازہ لگا لیجئے گا۔

میاں سلطان علی چوہدروال ضلع گجرات کا بیان ہے کہ آپ ایک بار ہمارے ہاں تشریف لائے۔ اور رات کو کچھ
دودھ طلب کیا۔ ہم نے عرض کیا کہ ہمارے ہاں تو ہے نہیں۔ البتہ ہمارے ہمسائے نمبردار ہیں انکے ہاں سے منگوا لیتے ہیں۔ آپنے فرمایا کہ نہیں
مجھے نمبردار کے ہاں کا دودھ مطلوب نہیں۔ اگر آپ کے ہاں ہوتا تو لے لیتا۔ میں نے ہنس کر عرض کیا۔ کہ ہمارے ہاں تو
ایک ہی گائے ہے جو چھ ماہ سے سوکھ گئی ہے۔ اگر آپ اس سے لے سکتے ہیں تو لے لیں۔ آپ اٹھے گائے کو پیار
دیا اور فرمایا کہ بیٹھ جاؤ۔ دودھ دوھ لو۔ انشاء اللہ دے گی۔

چنانچہ میں اٹھا گائے کے نیچے بیٹھ گیا۔ سچ مچ اُسے دودھ اتر آیا۔ میں نے سیر کے قریب دودھ دوہا۔ اور آپ کو پلایا
آپ چار یوم تک ہمارے ہاں رہے۔ اور چاروں دن گائے دودھ دیتی رہی۔ مگر جب آپ تشریف لے گئے۔ تو گائے
کا دودھ بھی سوکھ گیا اور جیسی پہلے تھی ویسے ہی ہو گئی۔

کرامات مولوی محمد سلیمان صاحب روڑوی[1]

۱۔ آپ کے ایک دوست کا لڑکا نظام الدین نامی بدچلن ہو گیا۔ اور سارا وقت گانے بجانے ناچنے کودنے میں گزارنے لگا۔ ماں باپ اور سارے رشتہ دار سمجھا بجھا کر تھک گئے۔ مگر وہ نہ مانا۔ اور حقیقت بھی یہی ہے۔ کہ عیاش طبع انسانوں کی اصلاح بہت مشکل ہوتی ہے۔ اسکا باپ آپ کے پاس آیا۔ اور بیٹے کی حالت بیان کر کے رو دیا۔ آپ نے فرمایا۔ فکر نہ کرو۔ خدا نے چاہا تو ٹھیک ہو جائے گا۔ ایک دن نظام الدین اتفاقاً مولوی صاحب کے پاس سے گذرا۔ آپ نے اُسے پکڑ لیا۔ بس پکڑنا ہی تھا۔ کہ اس کا نقشہ پلٹ گیا۔ وہ زار و قطار روتا تھا اور اپنے گناہوں سے تائب ہو رہا تھا۔ چنانچہ وُہی نظام الدین اب بہت بڑا متقی اور پارسا بن گیا ہے۔

۲۔ ایک روز علی الصبح آپ فرمانے لگے۔ کہ لو بھائی آج ہمارے پیر و مرشد (مولوی عبدالجبار صاحب غزنوی) بہشت میں پہنچ گئے ہیں۔ میں نے رات ان کو بہشت میں دیکھا ہے اور یہ شعر سُنا ہے۔ جو میری زبان جاری ہو گیا ہے "لے او بیلی اللہ بیلی ساڈے ہُوئے چلانے" یعنی اے دوست! خُدا حافظ ہم تو جا رہے ہیں۔ سب حیران تھے۔ کہ یہ کیا ماجرا ہے چنانچہ بعد

---

[1] آپ مولانا عبدالجبار صاحب بن مولانا عبداللہ صاحب غزنوی کے مریدین میں سے ہیں۔ روڑی ضلع حصار میں رہتے ہیں۔ ۸۰ سال کے قریب عمر ہے۔ نہایت رقیق القلب۔ متقی۔ پارسا۔ شب زندہ دار متبع سنّت بزرگ ہیں پاس بیٹھنے والوں پر اتنا اثر ہوتا ہے۔ کہ خشیتِ الٰہی طاری ہو جاتی ہے۔ راقم الحروف کو جب زیارت کا موقع ملا۔ تو جماعت کے موجودہ بزرگوں میں سے بس آپ ہی پہ نگاہ ٹھہری تھی۔ بڑے مسکین طبع۔ محبِ خدا۔ عاشقِ رسول واقع ہوئے ہیں۔ پہلے پہل جب بدعت کی تردید۔ اور سنّت کی اشاعت شروع کی۔ تو بڑی بڑی تکلیفیں اور مصیبتیں جھیلنی پڑیں۔ مگر اب آپ کی تبلیغی کوششوں اور وجدانی مساعیوں سے سارے علاقہ میں توحید کا ڈنکا بج چکا ہے۔ اب گو آپ ضعیف ہو چکے ہیں۔ اور بجز ذکرِ الٰہی کے کوئی تبلیغی کام نہیں کر سکتے۔ تاہم خُدا کا شکر ہے۔ کہ آپ کے صاحبزادے مولوی عبداللہ صاحب جو بجائے خود پنجابی لائن میں شہرۂ آفاق ہیں۔ تبلیغی میدان میں بھی انکے بہترین جانشین ہیں۔ مولوی عبداللہ صاحب بھی صوفی منش بزرگ ہیں۔ خدا کرے کہ جماعت کو آپ سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کا موقع مل سکے۔ آپ نے پنجابی نظم میں کئی ایک کتابیں لکھی ہیں۔ جو نہایت پُرسوز ہیں۔

میں جو اطلاعات آئیں ان سے معلوم ہُوا۔ کہ ٹھیک اُسی وقت اور اُسی دن امام صاحب کا انتقال ہُوا تھا جس دن مولوی صاحب نے علی الصبح ہم سے یہ کہا تھا۔

۳۔ تحصیل سرسہ میں ایک بہت بڑے رئیس اور نواب تھے۔ ان کی صاحبزادی بیمار ہو گئی۔ کئی علاج کئے۔ آفاقہ نہ ہُوا۔ اُنہوں نے چاہا کہ مولوی صاحب کو بلایا جائے۔ وہ دم کریں گے۔ تو شفا ہو جائے گی۔ چنانچہ آپ کی طرف آدمی آیا۔ آپ جانے کے لئے تیار ہُوئے۔ سواری منگائی گئی۔ کہ معًا آپ نے فرمایا۔ اب جانا فضول ہے۔ لڑکی کا تو انتقال ہو گیا ہے۔ چنانچہ آدمی جب واپس گیا۔ تو معلوم ہُوا۔ کہ ٹھیک اسی وقت جب مولوی صاحب نے فرمایا تھا۔ اس کا رُوح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تھا۔

۴۔ مولوی عبداللہ صاحب کا بیان ہے۔ کہ ایک دن میرے دل میں ایک بزرگ کے ملنے کا خیال پیدا ہُوا۔ اور جی چاہا کہ کچھ دن ان کے پاس جا کر ٹھہروں۔ اور فیض حاصل کروں ابھی یہ میرے جی ہی جی میں تھا۔ اور میں نے کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کیا تھا۔ کہ مولوی صاحب سامنے سے آگئے اور آتے ہی فرمایا کہ ذرا سوچ سمجھ کر جانا۔ آجکل دکانداریاں زیادہ ہیں۔ اللہ والے بہت کم ہیں۔ چنانچہ بعد میں معلوم ہُوا۔ کہ واقعی وہ دکاندار ہی تھے۔

نوٹ:۔ اگرچہ کرامات اہلحدیث کے ضمن میں بہت سے بزرگوں کی کرامات میرے پاس جمع ہو گئی ہیں۔ مگر فی الحال انہیں پر اکتفا کرتا ہوں۔

یار زندہ صحبت باقی

خادم عفی عنہٗ